اردو (لازمی)	دہم 2017ء	پرچہ II : (انشائیہ طرز)
وقت: 2.10 گھنٹے	(دوسرا گروپ)	کل نمبر: 60

(حصہ اوّل)

سوال :2- درج ذیل نظم و غزل کے اشعار کی مختصر تشریح کیجیے (تین اشعار حصہ نظم سے اور دو اشعار حصہ غزل سے): **(10)**

(حصہ نظم)

(i) وہی ہے کائنات اور اس کی مخلوقات کا خالق
نباتات و جمادات اور حیوانات کا خالق

(ii) یہ سعادت حُورِ صحرائی! تری قسمت میں تھی
غازیانِ دیں کی سقّائی تری قسمت میں تھی

(iii) دوڑتی ہے رات کو جس کی نظر افلاک پر
دن کو جس کی انگلیاں رہتی ہیں نبضِ خاک پر

(iv) نیا یہ آج کے پرچے نے گل کھلایا ہے
کہ سہرا باندھ کے اِک اونٹ بلبلایا ہے

(حصہ غزل)

(v) بھول جاتا ہُوں مَیں ستم اُس کے
وہ کچھ اس سادگی سے مِلتا ہے

(vi) ایک مُدّت سے تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے' ایسا بھی نہیں

(vii) جلنا تو چراغوں کا مقدّر ہے ازل سے
یہ دِل کے کنول ہیں کہ بجھے ہیں نہ جلے ہیں

(حصہ نظم)

جواب : (i) تشریح:

(حصہ دوم)

سوال :3- درج ذیل نثر پاروں کی تشریح کیجیے۔ سبق کا عنوان، مصنف کا نام اور خط کشیدہ الفاظ کے معانی بھی لکھیے: **(5,5)**

(الف) اس رجحان نے تخلیقی سطح پر ایک نئی سمت کی طرف اشارہ کیا ہے جس سے یہ نتیجہ نکالنا بے موقع نہ ہوگا کہ عید کا تصور مسلمانوں کے ہاں محض تہوار منانے اور اُچھل کود کو کلچر بنانے پر منحصر نہیں بلکہ اس خوشی کا رشتہ ہماری اقدار میں بہت دور تک جاتا ہے۔

جواب : سبق کا عنوان: اردو ادب میں عید الفطر

مصنف کا نام: ڈاکٹر وحید قریشی

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

رجحان: توجّہ تخلیقی: پیدائشی

بے موقع: بے جا، نامناسب تہوار: خوشی کا دن، مذہبی تقریب کا دن

تشریح:

عید کے چاند کے مناظر داخلی مسرت اور خارجی حالات اور ہلالِ عید کو ملت کے عروج اور زوال کی علامت کے طور پر قبول کرنے کے اس رجحان نے تخلیقی سطح پر ایک نئی سمت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک تہوار منانے کا مقصد محض اچھل کود نہیں، بلکہ اس خوشی کا تعلق ہماری اقدار میں بہت دور تک جاتا ہے۔ اُردو شعرا کی تخلیقات کا تعلق ہمارے داخلی رویوں کے ساتھ بہت گہرا ہے۔ عید کی شاعری ہماری شعری روایات کا ایک اہم اور ناقابلِ فراموش حصہ ہے۔

(ب) میں نے اِس بے مثل کارگزاری پر اِسے انعام دینا چاہا تو اِس نے لینے سے انکار کر دیا۔ شاید اُس کا کہنا ٹھیک تھا کہ اپنے بچوں کے پالنے پوسنے میں کوئی انعام کا مستحق نہیں ہوتا۔ کیسی ہی تنگی تُرشی ہو تو وہ ہر حال میں کرنا ہی پڑتا ہے۔

جواب : سبق کا عنوان: نام دیو مالی مصنف کا نام: مولوی عبدالحق

خط کشیدہ الفاظ کے معنی:

کارگزاری: کارکردگی پالنا پوسنا: پرورش کرنا

مستحق: حقدار تنگی تُرشی: مشکل حالات

تشریح:

اِس سبق میں بابائے اردو "مولوی عبدالحق" نے نام دیو مالی کے کردار کو موضوع بنا کر محنت اور ایمانداری کی عظمت کو اُجاگر کیا ہے۔ کام سے سچی لگن اور حُسنِ خُلق ہی انسانیت کی اصل معراج ہے۔

زیرِ بحث پیراگراف میں مصنف نے نام دیو مالی کے اعلیٰ کردار پر بحث کی ہے۔ اِس میں وہ نام دیو مالی کے محنتی ہونے اور اعلیٰ کردار کے بارے میں بتا رہے ہیں۔ نام دیو مالی نے جس محنت سے باغ کی خوبصورتی کو برقرار رکھا تھا، اُس کے کام کو دیکھتے ہوئے مصنف نے اُسے انعام دینا چاہا، مگر نام دیو مالی نے انکار کر دیا اور انعام وصول نہ کیا۔ نام دیو مالی نے کہا کہ رزقِ حلال اور ایمانداری کی روٹی سے اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔ اِس پڑا انعام کیسا؟ حالات چاہے کتنے ہی کٹھن کیوں نہ ہوں، اپنی اولاد کا پیٹ پالنے کے لیے محنت کرنی ہی پڑتی ہے۔

دراصل مصنف نے "نام دیو مالی" کے ذریعے اِس پیراگراف میں ایک سبق دیا ہے کہ چاہے جو بھی ہو، حالات و مصائب کتنے ہی مشکل کیوں نہ ہوں، ہمیں محنت اور رزقِ حلال سے ہی روزی کمانی چاہیے۔

سوال 4:- درجِ ذیل میں سے کوئی سے پانچ سوالات کے مختصر جوابات لکھیے: **(10)**

(i) نظریۂ پاکستان کا مقصد کیا ہے؟

جواب: نظریۂ پاکستان کا مقصد اسلامی اصولوں کی ترویج، اشاعت اور اہلِ عالم کے لیے مثالی مملکت کا نمونہ فراہم کرنا ہے۔

(ii) سیّدانی بی نے گزر اوقات کے لیے کون سا پیشہ اختیار کیا؟

جواب: سیّدانی بی نے گزر اوقات کے لیے مغلانی یعنی (درزن) کا پیشہ اختیار کیا۔

(iii) مرزا محمد سعید کس لیے لکھتے تھے؟

جواب: مرزا محمد سعید ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا سے بے نیاز ہو کر لکھتے تھے۔ گویا وہ ذاتی تسکین کے لیے لکھتے تھے۔ فرمائشی کام انھوں نے ساری عمر نہیں کیے۔

(iv) کسان نے چغل خور کو کن شرائط پر ملازم رکھا؟

جواب: کسان نے چغل خور کو اپنے ہاں دو شرائط پر ملازم رکھا۔ پہلی شرط صرف روٹی، کپڑا مہیا کرنا تھا، اور دوسری شرط یہ تھی کہ چغل خور کو چھے ماہ بعد کسان کی چغلی کھانے کی اجازت دے دی جائے۔ دوسری شرط بڑی عجیب تھی، لیکن کسان اس پر رضامند ہو گیا۔

(v) ''حمد'' میں خالق کی کن مخلوقات کا ذکر کیا گیا ہے؟

جواب : ''حمد'' میں بتایا گیا ہے کہ نباتات' جمادات' حیوانات اور ہمارے باپ دادا سب اُسی خالق کی مخلوق ہیں۔ سب کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے۔

(vi) مصنف (مولوی عبدالحق) کے خیال میں اچھا انسان کیسے بنا جا سکتا ہے؟

جواب : مصنف کے خیال میں اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں کوئی نہ کوئی صلاحیت رکھی ہوتی ہے۔ اس صلاحیت کو درجۂ کمال تک پہنچانے میں ہی ساری نیکی اور بڑائی ہے۔ درجۂ کمال تک نہ کبھی کوئی پہنچا ہے اور نہ ہی پہنچ سکتا ہے' لیکن وہاں تک پہنچنے کی کوشش میں ہی انسان صحیح معنوں میں انسان بنتا ہے۔

(vii) پاکستانی بچوں کو کس دشمن سے لڑنا ہے؟

جواب : پاکستانی بچوں کو بے ایمانی' بد دیانتی' جھوٹ اور بے حیائی سے لڑنا ہے۔ اور اپنے اندر امانت' دیانت' صداقت اور شرافت جیسی خصوصیات پیدا کرنی ہیں۔

(viii) شاعر ''حسرت موہانی'' کے ہاں مصیبت کے ''راحت فزا'' ہونے کی وجہ کیا ہے؟

جواب : مولانا حسرت موہانی کہتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے ملنے کی تمنا ہے۔ اس راہ میں کیسی ہی مشکلات کیوں نہ پیش آئیں' مجھے اپنی خواہش پوری کرنی ہے۔ اس لیے ان کو دنیاوی مصیبتیں راحت افزا معلوم ہوتی ہیں۔

سوال 5-: کسی ایک سبق کا خلاصہ لکھیے: (5)

(i) مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ (ii) علی بخش

جواب : **(i) مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ**

اس سبق میں سجاد حیدر یلدرم نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ زندگی میں دوستوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے' مگر اچھا دوست وہی ہے جو اپنے دوستوں کے حقوق' مصروفیات اور مسائل کو مدِنظر رکھے۔

مصنف بیان کرتے ہیں کہ میں دلی کے چاندنی چوک سے گزرا تو میری نظر ایک موٹے تازے فقیر پر پڑی جو بڑے مؤثر طریقے سے اپنی دکھی حالت لوگوں کو بتا رہا تھا۔ کچھ وقفے کے بعد پھر وہی باتیں دہراتا تھا' جن میں اس کی بدنصیبی' معاشی پریشانی اور غریب الوطنی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی اہم تھی کہ اس کا کوئی دوست نہیں۔ فقیر خیرات لیتا ہوا آگے بڑھا تو میں نے سوچا وہ مجھ سے بہتر ہے۔ میں کام جبکہ وہ مفت خوری کر رہا ہے' میں تعلیم یافتہ اور وہ جاہل ہے' میں فکرمند رہتا ہوں جبکہ وہ بے فکری کے دِن گزار رہا ہے۔ آخرکار میں اس نتیجے پر پہنچا کہ سب سے اچھی بات یہ ہے کہ اُس کا کوئی دوست نہیں ہے۔ ایسے

دوست جو کام کے لیے دن بھر پانچ منٹ کی بھی فرصت نہ دیں ان سے تو دوست نہ ہونا ہی بہتر ہے۔
کوئی دوست قرض لینے آ جاتا ہے کوئی بے وقت دعوتوں میں لے جاتے ہیں تنہا آ رہی ہو تو لطیفے پر لطیفہ سنانے کا کہتے ہیں بعض دوستوں کی کتاب خواہ مخواہ پڑھ کر اپنے تاثرات بھی بیان کرنے پڑتے ہیں۔ یہ ہٹا کٹا فقیر ان سب پریشانیوں سے آزاد ہے تو پھر کوئی تعجب نہیں ہے کہ میری حالت اس سے زیادہ بدتر ہے۔ اس فقیر کو شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس کا کوئی دوست نہیں ہے۔ مصنف کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ میرے دوست میرے خیر خواہ ہیں اور مجھے فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں مگر حقیقت میں ان کی بدولت میرا نقصان ہو جاتا ہے۔
مصنف کے ایک معقول پرانے اور بے تکلف دوست احمد مرزا ہیں۔ وہ بھونچال کی طرح آئیں گے اور ایک منٹ بھی ٹھہرے بغیر چلے جائیں گے۔ مصافحہ کے دوران ہاتھوں کو گرمجوشی سے اس طرح دباتے ہیں کہ بعد میں درد کی وجہ سے لکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ دوسرے دوست محمد تحسین ہیں جو دن رات بال بچوں کی فکر میں رہتے ہیں۔ جب بھی آرام کو دل چاہے گا تو آ جائیں گے اور بیوی بچوں کی بیماری کے تذکرے کریں گے۔ مصنف کے ایک اور مقدمہ باز دوست ہیں جو ہر وقت اپنی ریاست کے جھگڑوں فریق مخالف کی برائیوں جج صاحب کی تعریف یا مذمت میں لگے رہتے ہیں۔ مصنف کے دوستوں میں سب سے خاص دوست موضع سلیم پور کے رئیس محمد شاکر صاحب ہیں۔ انھیں لٹریچر پڑھنے اور لٹریری آدمیوں سے ملنے کا بہت شوق ہے۔ ایک دفعہ مصنف کے گھر آئے اور تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے انھیں اپنے ساتھ لے گئے۔ مضمون نگاری کے لیے خاص کمرہ اور پڑھنے کے لیے سامان کا انتظام بھی کر دیا لیکن ان کے ہاں بھی مصنف کا جو حال ہوا وہ ناقابل بیان ہے۔
اختتام میں مصنف کہتے ہیں کہ میرے احباب کی فہرست یہیں پر ختم نہیں ہوتی بہت سے ابھی بھی باقی ہیں۔ ایک صاحب جو صرف اور صرف مجھ سے قرض مانگنے آتے ہیں۔ ایک صاحب ہمیشہ اس وقت آتے ہیں جب مجھے باہر جانا ہوتا ہے۔ ایک صاحب کو عرصے سے میری دعوت کا شوق ہے مگر پورا نہیں کر پا رہا۔ ایک دوست آتے ہی سوالات شروع کر دیتے ہیں مگر جب جواب دیتا ہوں تو سنتے نہیں بلکہ اخبار پڑھنے لگ جاتے ہیں یا گانے لگتے ہیں۔ ایک اور صاحب ہمیشہ اپنی کہتے ہیں کبھی بھی میری نہیں سنتے۔ یہ سب میرے خیر خواہ ہیں مگر میری اپنی یہ رائے ہے کہ:

مجھ پہ احساں جو نہ کرتے یہ احساں ہوتا

علی بخش (ii)

جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2017ء (پہلا گروپ) سوال نمبر 5(ii)۔

سوال :6- درج عنوانات میں سے کسی ایک پر مضمون لکھیے: **(15)**

(i) سکول کی تعطیلات (ii) تحریکِ پاکستان (iii) زم۔۔۔زم

جواب:

(i) سکول کی تعطیلات

یہ انسانی فطرت ہے کہ جب انسان مسلسل کام کرتے کرتے اُکتا جاتا ہے تو اسے فرصت اور فراغت کے لمحات کی تلاش ہوتی ہے۔ یہ لمحات انسان کو ازسرِ نو تازہ دم بنا دیتے ہیں۔ ویسے تو ہر اتوار اور دورانِ سال کی دوسری تعطیلات بھی ہوتی ہیں، لیکن گرمیوں کے موسم میں ڈھائی ماہ کی تعطیلات کا تصور نہایت خوشگوار ہوتا ہے۔

جیسا کہ ہمیں اس سال یکم جون سے ڈھائی ماہ کی تعطیلات ہوئیں۔ چپڑاسی جب ہماری جماعت میں تعطیلات کا آرڈر لے کر پہنچا تو ہم خوشی کے مارے جھوم اٹھے۔ جماعت میں بیٹھے ہی بیٹھے تعطیلات کے پروگرام بننے شروع ہو گئے۔ اساتذہ کرام نے تعطیلات کے لیے ہوم ورک دیا۔ آخر میں ہمارے انچارج استاد صاحب نے تعطیلات کا زمانہ بہتر طریقے سے گزارنے کے لیے بہت سی مفید باتیں بتائیں۔ وہ مفید باتیں ذیل میں بیان کی جا رہی ہیں۔

طلبہ کو ہدایت کی گئی کہ صبح سویرے سورج طلوع ہونے سے کافی دیر پہلے بیدار ہوں اور اپنے محلے کی مسجد میں نمازِ فجر ادا کر کے باغ کی سیر کو نکل جائیں۔ صبح کی یہ سیر بہت پُر لطف ہوتی ہے۔ صبح کے وقت ٹھنڈی ہوا کے جھونکے خوب دل لبھاتے ہیں۔ رنگ برنگے پھولوں کی بہار قابلِ دید ہوتی ہے۔ پھر گھر آ کر قرآنِ مجید کی تلاوت کریں اور بعد میں ناشتہ کریں۔ پھر پہلے سے بنائے گئے ٹائم ٹیبل کے مطابق پڑھنے بیٹھ جائیں۔

نصابی کام تقریباً بارہ یا ایک بجے تک جاری رکھیں۔ پھر غسل کریں، دوپہر کا کھانا کھائیں اور نمازِ ظہر ادا کریں۔ اس کے بعد قیلولہ کریں۔ یہ وقفہ بھی ضروری ہے۔ اس سے انسان پھر سے تازہ دم ہو جاتا ہے اور وہ زیادہ مستعدی سے کام کر سکتا ہے۔ وقفے کے بعد پھر شام تک خوب دل لگا کر پڑھائی کریں۔ نمازِ عصر کے بعد کسی پارک کی سیر یا گراؤنڈ میں کھیلنے نکل جائیں اور نمازِ مغرب مسجد میں ادا کرنے کے بعد گھر واپس آ جائیں۔

گرمیوں کی تعطیلات میں وقتاً فوقتاً تاریخی مقامات کی سیر بھی کریں۔ مثلاً شالامار باغ، قلعہ لاہور، مینارِ پاکستان، مقبرہ جہانگیر وغیرہ۔ اس کے علاوہ جدید عمارتوں کے بارے میں جاننا مثلاً لاہور ریلوے سٹیشن، ہائی کورٹ، پنجاب یونیورسٹی، اسمبلی ہال، اسلامی سربراہی کانفرنس کا مینار، الفلاح بلڈنگ، واپڈا ہاؤس وغیرہ۔ سیر کے پروگراموں کے لیے چڑیا گھر، عجائب گھر، باغِ جناح، گلشن اقبال پارک اور جلو پارک

وغیرہ قابلِ دید ہیں۔

اس طرح ان تعطیلات سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔ ایک طرف اپنی تعلیمی کمی کو پورا کیا جائے اور دوسری طرف سیر و تفریح سے بھی لطف اندوز ہوا جائے۔

(ii) تحریکِ پاکستان

خطبہ الٰہ آباد:

1930ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس الٰہ آباد میں منعقد ہوا۔ اس کی صدارت ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے کی۔ انھوں نے اپنے صدارتی خطبے میں بڑی وضاحت سے ہندوستان کے حالات، مسلمانوں کی مشکلات، مسلمانوں کے ماضی، ان کے مستقبل اور مسلمانانِ ہند کی منزل کی نشاندہی کی۔

گول میز کانفرنسیں:

حکومت برطانیہ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات کی خلیج کو کم کرنے کے لیے لندن میں تین گول میز کانفرنسیں منعقد کیں۔ قائداعظمؒ نے پہلی دو کانفرنسوں میں شرکت کی اور مسلمانوں کی مؤثر نمائندگی کی، لیکن گاندھی کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے آپ ہندوستان کی سیاست سے مایوس ہو گئے۔ آپ نے لندن میں مستقل قیام کا فیصلہ کر لیا۔ علامہ اقبالؒ کو جب لندن میں آپ کے مستقل قیام کا علم ہوا تو انھوں نے قائداعظمؒ کو خط لکھا کہ اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کو آپ کی قیادت کی ضرورت ہے۔ اس پر آپ نے واپس آنے کا ارادہ کر لیا۔

1935ء کا قانون:

1935ء کے قانون کی رُو سے ہندوستان میں وفاقی حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ تاہم مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے مندرجہ ذیل دفعات زیادہ اہم ہیں:

1- جداگانہ نیابت کا اصول برقرار رکھا گیا۔

2- سندھ کو ایک علیحدہ صوبہ بنا دیا گیا۔

3- صوبوں کو خودمختاری دے دی گئی۔

کانگریس کی مخالفت:

1935ء کے ایکٹ کی کانگریس نے مخالفت کی، لیکن اس قانون کے تحت صوبائی انتخاب میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ اس ایکٹ کے تحت مارچ 1937ء میں صوبائی انتخابات منعقد ہوئے اور کانگریس

کو گیارہ میں سے چھے صوبوں میں قطعی اکثریت حاصل ہوگئی۔ نیز دو صوبوں میں اقلیتی گروپ سے گٹھ جوڑ کر کے حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ کانگریسی وزارتیں جولائی 1937ء سے نومبر 1939ء تک برسرِ اقتدار رہیں۔ اس دوران کانگریس نے جو ظالمانہ رویہ مسلمانوں کے ساتھ اختیار کیا' اس سے مسلمانوں پر کانگریس کا اصل روپ بے نقاب ہوگیا۔

کانگریس کا استعفیٰ:

1939ء میں دوسری عالمگیر جنگ کا آغاز ہوا تو کانگریس برطانوی حکومت کی مشکلات میں اضافے کی خاطر کانگریسی وزارتوں سے مستعفی ہوگئی۔ انگریز پہلے ہی جنگ کے دوران ہنگامی حالات کے نفاذ کا سوچ رہا تھا۔ کانگریس کے اس فیصلے نے اس کے لیے آسانی پیدا کر دی۔ مسلمانوں کو سوا دو سالہ کانگریسی راج کے ظلم و استبداد اور بے انصافی سے نجات ملی تو انھوں نے قائداعظمؒ کی اپیل پر 22 دسمبر 1939ء کو یومِ نجات منایا۔

قراردادِ پاکستان:

1939ء میں مسلم لیگ نے مختلف آئینی تجاویز پر غور کرنے کے لیے قائداعظمؒ کی صدارت میں ایک کمیٹی قائم کی۔ کمیٹی نے متعدد منصوبوں پر سوچ بچار کے بعد ایک قرارداد مرتب کی' جس کو قراردادِ لاہور کہتے ہیں۔ اس کو 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں پیش کیا گیا' جسے بعد میں قراردادِ پاکستان کا نام دیا گیا۔ اس میں دو قومی نظریہ کو اجاگر کیا گیا۔

کرپس کی تجاویز:

1942ء میں حکومتِ برطانیہ نے کابینہ کے ایک وزیر سر سٹیفورڈ کرپس کو تجاویز کا ایک مسودہ دے کر ہندوستان بھیجا۔ اس نے مسلم لیگ اور کانگریس کے لیڈروں سے گفت و شنید کے بعد اپنی تجاویز پیش کیں۔ کانگریس نے ان تجاویز کو مسترد کر دیا۔ قائداعظمؒ کو بھی ان تجاویز میں پاکستان کا نظریہ واضح طور پر نظر نہیں آتا تھا۔ اس لیے مسلم لیگ نے بھی یہ تجاویز مسترد کر دیں۔

شملہ کانفرنس:

1944ء کو لارڈ ویول ہندوستان کا وائسرائے بن کر آیا۔ اس سے قبل وہ برطانوی فوج کا ہندوستان میں کمانڈر رہ چکا تھا۔ ویول نے ہندوستانی لیڈروں کی ایک کانفرنس 1945ء میں شملہ میں بلائی۔ کانفرنس میں وائسرائے کی کونسل میں مسلمانوں اور ہندوؤں کو برابر نمائندگی دینے کی تجویز پیش کی

گئی۔ اس طرح کونسل میں پانچ مسلمان اراکین کو شامل ہونا تھا، لیکن کانگریس مسلم نشستوں پر صرف ایک مسلمان نامزد کرنے کا مطالبہ کر رہی تھی، لہٰذا یہ کانفرنس ناکام ہوگئی۔

مسلمانوں کی حکومت:

1945ء تا 1946ء کے عام انتخابات میں مسلم لیگ نے مرکزی اسمبلی کی تمیں کی تمیں نشستیں اور صوبائی اسمبلی کی 90 فیصد نشستیں جیت کر مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کا ثبوت مہیا کیا۔ اس طرح مسلمانوں نے ایک مخلوط مرکزی حکومت قائم کی، جو انگریزوں اور ہندوؤں کی سازشوں سے ناکام ہوگئی۔ اسی حکومت کے دوران قراردادِ دہلی پیش کی گئی۔ جس میں قراردادِ لاہور کو دہراتے ہوئے بنگال، آسام، پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان پر مشتمل ایک خودمختار اور آزاد مسلم ریاست کا مطالبہ کیا۔

3 جون کا منصوبہ:

فروری 1947ء میں برطانوی حکومت نے لارڈ ویول کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو وائسرائے بنا کر ہندوستان بھیجا۔ جب وہ ہندوستان آیا اس وقت سیاسی تعطل عروج پر تھا۔ چنانچہ اس نے سیاسی جماعتوں سے مشورہ کر کے 3 جون 1947ء کو ایک منصوبہ پیش کیا، جسے 3 جون کا منصوبہ کہا جاتا ہے۔

حصولِ پاکستان:

18 جولائی 1947ء کو برطانوی پارلیمنٹ نے قانونِ آزادیٔ ہند پاس کیا۔ جس کی رُو سے طے پایا کہ ہندوستان 15 اگست 1947ء تک دو خودمختار ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس طرح مسلم لیگ کی مسلسل جدوجہد، مسلمانوں کی عظیم قربانیوں اور قائدِ اعظمؒ کی اَن تھک کوششوں سے 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔

(iii) زم۔۔۔زم

''آب'' فارسی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ''پانی'' ہے جبکہ ''زم'' عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں ''ٹھہر جا۔''

پس منظر:

حضرت ابراہیم علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے۔ اللہ نے ان کو بڑھاپے میں بیٹے کی نعمت سے نوازا۔ آپؑ کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ بھی پیغمبر تھے۔ ابھی حضرت اسماعیلؑ شیر خوار ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش کا وقت آ گیا اور حضرت ابراہیمؑ کو اللہ کا حکم ہوا کہ ''اپنے شیر خوار

بچے اور بوڑھی بیوی کو صحرا میں تنہا چھوڑ کر آؤ۔" آپ نے حکم الٰہی کی تعمیل کی اور حضرت حاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کو مکہ کے صحرا میں تنہا چھوڑ آئے۔

حضرت حاجرہؓ اپنے شیر خوار بچے کے ساتھ صحرا میں ٹیلے کی اوٹ میں بیٹھ کر اللہ کی مرضی کے مطابق انتظار کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد سورج بلند ہوا تو صحرا کی گرمی بڑھنے لگی۔

گرمی کی شدت اور حضرت حاجرہؓ کی پریشانی:

جیسے جیسے سورج بلند ہوتا گیا ویسے ہی صحرا جلتے ہوئے تندور کی مانند گرم ہوتا گیا۔ ہوا کے گرم جھونکے شعلوں کی طرح لگنے لگے۔ ذرا سی دیر میں پانی ختم ہو گیا۔ دونوں ماں بیٹا پانی نہ ملنے سے گھبرا گئے۔ حضرت حاجرہؓ نے پانی کے لیے ادھر ادھر نظر دوڑائی، مگر وسیع و عریض صحرا میں پانی کہاں سے ملتا۔ پھر ٹیلوں کے ارد گرد چکر لگائے۔ جب ننھے اسماعیلؑ کا خیال آتا کہ انھیں کوئی جانور نقصان نہ پہنچا دے تو دوڑ کر دیکھنے کے لیے چلی آتیں۔ اس طرح انھوں نے صحرا میں کئی چکر لگائے۔

اللہ سے دعا:

پھر انھوں نے اللہ سے دعا کی: "اے ہمارے رب! اس صحرا میں ہمارے لیے پانی کا چشمہ بہا دے اور میرے معصوم بچے کو پانی عطا فرما دے اور اس ننھی جان پر کرم فرما دے۔"

حضرت اسماعیلؑ کی بے چینی:

ننھے اسماعیلؑ پیاس کی شدت سے نڈھال ہو چکے تھے اور حضرت حاجرہؓ پانی کی تلاش میں صحرا میں دیوانہ وار ادھر سے اُدھر دوڑنے لگیں۔

رحمتِ الٰہی کا جوش:

حضرت اسماعیلؑ اور حضرت حاجرہؓ کی حالت دیکھ کر رحمتِ الٰہی کو جوش آیا اور جہاں حضرت اسماعیلؑ پیاس کی شدت سے پاؤں رگڑ رہے تھے وہیں سے ایک چشمہ پھوٹا۔

زم زم:

جب حضرت حاجرہؓ نے دیکھا کہ حضرت اسماعیلؑ کے پاؤں کے قریب سے زمین سے پانی نکل رہا ہے تو انھوں نے پانی کے ارد گرد ریت کی رکاوٹ بنا دی تاکہ پانی ادھر ادھر نہ بہے، مگر جب پانی شدت سے نکلنے لگا تو انھوں نے کہا کہ "زم زم" یعنی ٹھہر جا۔ اس حکم کو سن کر پانی وہیں ٹھہر گیا اور اس چشمے کا نام آبِ زم زم پڑ گیا۔

حضرت حاجرہؓ کی سعی۔۔حج کا رُکن:

حضرت حاجرہؓ نے پانی کی تلاش میں صحرا کے جتنے چکر لگائے تھے اللہ کو وہ ادا اتنی پسند آئی کہ قیامت تک مسلمانوں کے لیے اسی جگہ کے اتنے ہی چکر کاٹنے لازمی قرار دے دیے گئے۔اس کے بغیر حج قبول نہیں ہوتا۔

آبِ زم زم۔۔ایک زندہ معجزہ:

آبِ زم زم اس وقت سے لے کر آج تک چشمے کی صورت میں اسی جگہ بہ رہا ہے۔ یہ دنیا کا بہترین پانی ہے جس میں شفا ہے۔ وہیں پر مکہ کا مقدس شہر آباد ہوا اور وہیں پر خانہ کعبہ کی تعمیر ہوئی۔آبِ زم زم کے چشمے سے اب تک اربوں انسان پانی پی چکے ہیں، مگر اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ یہ اللہ کا معجزہ ہے۔اس سے ایک بات ثابت ہوتی ہے کہ جو لوگ اللہ کی آزمائش پر پورے اترتے ہیں، اللہ انھیں دنیا اور آخرت دونوں میں عزت وعظمت سے نوازتا ہے۔

آبِ زم زم کی اہمیت:

آبِ زم زم نوش کرنے سے جہاں باطنی اور روحانی بالیدگی پیدا ہوتی ہے وہاں انسان کو بعض دنیاوی بیماریوں سے بھی نجات ملتی ہے۔مسلمانوں کے لیے یہ پانی نہ صرف متبرک ہے، بلکہ اس کو پینا سنتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم بھی ہے۔رحمتِ خداوندی نے اپنی کرم فرمائی سے بندہ کے گناہوں کو معاف کرتے ہوئے اسے درجۂ انسانیت پر فائز کر دیا ہے۔اس سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ آبِ زم زم کے نوش کرتے ہی انسان گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

سوال :7- درج ذیل عبارت کو غور سے پڑھیے اور آخر میں دیے گئے سوالات کے جوابات تحریر کیجیے: **(10)**

انتخابِ کتب ایک اہم مسئلہ ہے۔اس کے لیے اس طرح کی احتیاط اور غور وفکر کی ضرورت ہے جس طرح کہ دوستوں کے انتخاب کے لیے۔جس طرح ایک اچھے اور نیک چال چلن کا مالک انسان اپنے دوست کو بُرائی سے بچالیتا ہے اور ایک بُرا دوست اپنی بدکرداری کی وجہ سے دوسرے دوست کو بھی تباہ کر دیتا ہے، اسی طرح اچھی کتابیں دل ودماغ اور عادات واطوار پر اچھا اثر ڈالتی ہیں اور مخربِ اخلاق اور بے ہودہ کتابیں طبیعت کو بُرائی کی طرف مائل کرتی ہیں۔اسی طرح بُری کتابوں کا مطالعہ پڑھنے والے کی اخلاقی موت کا باعث بنتا ہے۔مشاہیرِ زمانہ کی سوانح عمریاں، سفرنامے، تاریخی اور مذہبی کتب اور جدید معلومات پر لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ انسان اور خصوصاً طالب علم کے لیے بہت مفید ہے۔

اخلاقی کتابوں کے مطالعہ سے اخلاق بلند ہوتا ہے۔

سوالات:

(i) کتابوں کے انتخاب میں کس چیز کی ضرورت ہے؟

جواب: کتابوں کا انتخاب کرنا ایک مشکل عمل ہے۔ اس کے لیے احتیاط اور غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔

(ii) بُرا دوست کیا نقصان پہنچاتا ہے؟

جواب: بُرے دوست کی وجہ سے انسان میں بدکرداری، رذائل اخلاق اور بُری خصلتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔

(iii) خراب کتابیں پڑھنے سے کیا نقصان ہوتا ہے؟

جواب: جس طرح بُرے دوست کی صحبت نقصان دہ ہوتی ہے، اُسی طرح خراب کتب انسان کو بُرائی کی طرف مائل کرتی ہیں۔ ان کا مطالعہ انسان کے اخلاق کو مار دیتا ہے۔

(iv) طالب علم کے لیے کون سی کتابیں مفید ہیں؟

جواب: طلبہ کو مشاہیر زمانہ کی سوانح عمریاں، سفرنامے، تاریخی و مذہبی اور جدید معلومات پر لکھی ہوئی کتابیں پڑھنی چاہئیں۔

(v) درج بالا عبارت کا موزوں عنوان لکھیے۔

جواب: ”اچھی کتاب کا انتخاب“